ناول "بھاگ بھری" کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of the Novel "Bhag Bhari"

ڈاکٹر نازیہ ملک* / عائشہ ملک**

Abstract:

Beface Novel is a perfect significant genre of prose in under Literature. In novel various aspects of life, society and social norms are presented in effective way The noved, "Bagh Bhari"is one such novel in which real but harsh picture of life the writer has shown has been presented insight into political domam of India & Pakistan and its prominent characters .In 21st century no novel seems to be as compelling as "Bagh Bhari".The writer has painted an appealing picture of political, social, economic and religious dimensions of history of Pakistan.

ناول اطالوی لفظ "Novella" سے بنا ہے۔ لفظ چودھویں صدی عیسویں میں سامنے آیا جس کی اصل Novella Storia ہے۔ جس کے معنی کوئی انوکھی یعنی چیز کے ہیں۔ ناول ایک ایسی صنف نثر ہے جس میں ہماری زندگی کی تصویر ہو بہو پیش کی گئی ہو۔ انسان کی زندگی میں جو بھی معاملات پیش آتے ہیں وہ سب ناول کا موضوع ہوتے ہیں یعنی ناول وہ آئینہ ہے جس میں زندگی کے سارے روپ دیکھے جاسکتے ہیں۔ انسانی زندگی کے فرضی واقعات کو فرضی کرداروں کے عمل سے ایک مربوط پلاٹ کے سہارے اس طرح سے پیش کیا جائے کہ وہ واقعات اور کردار سچے معلوم ہوں۔ ادب میں یہ سچائی "افسانوی صداقت" کہلاتی ہے۔ ناول داستان کی ارتقائی شکل ہے۔ یہ داستانیں افسانے کا نسبتاً طویل کام ہوتا ہے۔ مختلف فنکاروں نے ناول کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ بقول ای۔ ایم۔

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز

**ایم فل سکالر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز

فارسٹر "ناول ایک خاص طوالت کا نثری قصہ ہے۔"(۱)

انسائکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق:

"The fictional prose narrative or tale of considerable length (now usually one long enough to fill one or mire volumes) in which characters and actions representative of the real life of past and present times are portrayed in a plot more or less completely."(2)

ورجینیا وولف نے ناول کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ناول انسانوں کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ اس لئے وہ ہمارے اندر ایسے ہی احساسات ابھارتے ہیں جیسا کہ انسان حقیقی دنیا میں ابھرتے ہیں۔ ناول فن کی وہ واحد ہیئت ہے جس کی واقعیت ہم کو یقین کرنے پر مجبور کرتی ہے یعنی وہ حقیقی انسان کی زندگی کا بھرپور اور صداقت شعارانہ ریکارڈ پیش کرتا ہے۔"(۳)

فن کے نقطہ نظر سے ناول کے مندرجہ ذیل اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں جن کا ایک ناول میں پایا جانا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ قصہ

۲۔ پلاٹ

۳۔ کردار نگاری

۴۔ مکالمہ نگاری

۵۔ منظر کشی

۶۔ نقطہ نظر

ناول آج کے دور کی ایک اہم صنف نثر ہے جو بہت لوگوں کی دلچسپی کا سامان ہے۔ اس لیے ایک اچھے اور معیاری ناول کی خاصیت یہ ہونی چاہیے کہ اس کی زبان آسان اور سادہ ہو۔ ناول کا اسلوب عام فہم ہوں چکاری کو با آسانی سمجھا جا سکے اور پڑھنے میں سہولت ہو۔ اردو ادب کے چند اہم ناول نگار جن میں ڈپٹی نذیر احمد، مرزا ہادی رسوا، قدرت اللہ شہاب، رتن ناتھ سرشار، منشی پریم چند، کرشن چندر، سجاد ظہیر، عصمت چغتائی، عزیز احمد، ڈاکٹر احسن فاروقی اور قرۃ العین حیدر وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ ناول کی کئی اقسام ہیں مگر ناول کو کسی ایک خاص قسم کے کے ساتھ پابند نہیں کیا جاسکتا۔ اردو ناولوں میں تاریخ کا خاصا ذخیرہ دکھانے میں آتا ہے۔ اردو ناول جن میں

ہمیں تاریخ ملتی ہے ان میں سب سے پہلے عبد الحلیم شرر کے ناول فتح اندلس اور فردوس بریں ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" بھی تاریخی ناول ہے۔ اس کے بعد نسیم حجازی کا ناول "داستان مجاہد" جس میں ملک بن مروان سے لے کر عمر ابن عبد العزیز کے زمانے تک کے تاریخی واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے بعد "محمد بن قاسم" ایک تاریخی ناول ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح سندھ فتح کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نسیم حجازی کا ایک اور ناول سامنے آتا ہے "اور تلوار ٹوٹ گئی" اس میں ٹیپو سلطان کے دور کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ایک اور ناول "معظم علی" یہ ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا یہ بھی ایک دلچسپ تاریخی ناول ہے۔ اس کے علاوہ "دمشق کے قید خانے میں"، "اندلس کی ناگن"، "اندھیری رات کے مسافر"، "خالد بن ولید"، "شاہین"، "آخری چٹان" اور "ستارہ جو ٹوٹ گیا" تاریخ کے حوالے سے اہم ناول جانے جاتے ہیں۔ اکیسویں صدی کی اگر بات کی جائے تو ہمارے سامنے بہترین تاریخی ناول صفدر زیدی کا ناول "بھاگ بھری" آتا ہے جو کہ ۲۰۱۸ میں شائع ہوا۔ صفدر زیدی کا یہ ناول ہمارے معاشرتی، سیاسی اور سماجی ظلم و ستم اور جبر واستعداد کی المناک داستان ہے جس میں پاکستانی اور ہندوستانی معاشرتی رویوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ ناول اس مٹی پر گزرنے والی قیامتوں کی داستان ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار ساون (خالد سینانی) ہے جو معاشرتی جبر و تشدد اور مذہبی جنون کی حقیقی علامت ہے۔ بقول اقبال لطیف:

> "صفدر زیدی کا ناول ایک طاقتور بیانیہ ہے، جس میں جنوبی ایشیا کے دو اہم حریفوں کے مابین تاریخی کشمکش ناممکنات کو ممکنات سے ہمکنار کرتی نظر آتی ہے۔ یہ ناول حقیقت نگاری اور فکشن کا زبردست امتزاج ہے۔"(۴)

ناول "بھاگ بھری" معاشرتی سیاسی اور سماجی سطح پر انحطاط کی جانب مائل معاشرے کی سنسنی خیز تصویر ہے۔ جس کو پڑھ کر حواسوں پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اس ناول میں صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب کی معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی خونریزی، تشدد پسندی اور انسانی تذلیل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ ناول ماضی کی غیر مذہبی یادوں میں سمائے عہد حاضر میں مذہب کے جبر اور تشدد پسندی کے خلاف ایک نعرہ احتجاج اور نعرہ قلندری ہے۔ اسے پڑھ کر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان سے کشمیر اور کراچی سے بلوچستان تک اسلام ختم ہو چکا ہے اور لوگ فرقوں میں بٹے ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ اسلام کا نام و نشان مٹتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اس ناول کی اسلوب میں افسانوی رنگ بہت گہرا نظر آتا ہے۔ الفاظ کے ذریعے کہانی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک فلم سی آنکھوں کے سامنے چلنے لگتی ہے۔ صفدر زیدی نے اس کتاب کا انتساب اجڑی ماؤں کے نام کیا ہے۔ اس ناول میں ہمارے معاشرے میں پائے جانے والی مذہبی انتہاپسندی اور عدم برداشت کے رویے کو خاص طور پر موضوع بنایا گیا ہے شیعہ، سنی، بریلوی، دیو سوی،

احمدی بالا تفریق سرایت کرتے جا رہے ہیں۔ فرقہ پرستی اور انتہا پسندی نے دہشت گردی کو جنم دیا ہے۔ یہ ناول طبقاتی تقسیم کے ساتھ ساتھ علاقائی، لسانی اور مذہبی سامراج کے ہاتھوں انسانیت کی تزلیل اور جبر کی حقیقی تصویر پیش کرتا ہے۔ دینی مدرسوں اور تعلیمی اداروں میں جن مذہبی تعصبات اور مسافروں کو فروغ دیا جا رہا ہے اس سے انسان روئے زمین پر کبھی سکون اور آرام کی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مذہبی جنونیت اور طبقاتی تقسیم موجودہ سنگین حالات کے لیے ایک چیلنج بھی ہے اور عوام کی تباہی و بربادی کی ذمہ دار بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خوفناک سائے انسانی معاشرت اور انسانی تہذیب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ پاکستانی اور ہندوستانی کلچر میں موجود مذہبی جنونیت اور متشدد ذہنیت نیوکلیئر طاقت سے کم نہیں۔ یہ طاقت ایسا بم ہے جو کسی بھی وقت دونوں ملکوں کے مابین مذہبی انتقام کی جنگ میں ایک دوسرے کو مکمل تباہی کے کنارے دھکیل سکتا ہے۔ بقول احمد سہیل:

> "بھاگ بھری پاکستان کی حشر سامانیوں، عدم مساوات اور ریاستی جبر پر نوحہ کناں ہے۔ اس ناول نے لفظی مصوری کے اظہار اور پر اثر جمالیاتی علامتوں کے استعمال سے معاشرتی خول میں بند دیمک زدہ معاشرے کے چہرے سے نقاب الٹ کر رکھ دیا ہے۔"(۵)

ناول کی ابتدا میں مصنف نے طبقاتی اونچ نیچ علاقائی سامراجیت کا موضوع بتایا ہے کہ صوبہ سندھ میں وڈیرا اسسٹم ے کسی طرح غریبوں کو اپنے معاشی جال میں پھنسایا ہوا ہے اور غریب لوگ ان کے ہر طرح کے مظالم کو برداشت بھی کر رہے ہیں اور غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ناول " بھاگ بھری" ایسے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے جس میں ہر طاقتور شخص اپنا قانون مسلط کرنا چاہتا ہے اور کمزور اور بے بس طبقے کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے۔

مجموعی طور پر اس ناول کے تین حصے ہیں:

۱۔ پہلا حصہ انگلستان دوہزار عسوی

۲۔ دوسرا حصہ ایٹمی حملوں کے بعد

۳۔ تیسرا حصہ خشک سالی کا دور

ناول "بھاگ بھری" کے پہلے حصے میں یورپ کی ترقی، تحقیق اور ثقافتی ورثہ کی حفاظت اور منتقلید کھائی دیتی ہے۔ ماہرین نہ صرف ثقافتی ورثہ کے خوبصورت نشانی تاج محل کو برصغیر سے منتقل کر کے دریائے ٹیمز منتقل کرتے ہیں بلکہ ایک استاد اور ان کے شاگرد بڑے صغیر کے عروج و زوال پر مباحثہ شروع کر دیتے ہیں۔ مباحثہ کا

انداز ایک ناول کی کہانی کی طرح ہوتا ہے جس میں بحث کے ساتھ ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے۔ مباحثہ کی اس کہانی کی شروعات راجن پور کے نچلی ذات کے ایک ہندو گھرانے سے شروع ہوتی ہے۔ راجن پور کے سماجی اور معاشی طور پر جھگڑے ایک ہندو مزارع کی بیٹی بھاگ بھری کے ہاں ایک بچہ جنم لیتا ہے جو کہ ڈیرے کے بھاگ بھری کی کم عمری میں جنسی استحصال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس بچے کی پیدائش چونکہ برسات کے موسم میں ہوتی ہے تو اسی مناسبت سے اس کا نام ساون رکھا جاتا ہے۔ ساون اچھوت ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشی طور پر وڈیرے کی جکڑ میں گھٹن کا شکار رہتا ہے اور دوسرا مذہبی طور پر بھی کورا ہوتا ہے۔ ساون اس گھٹن زدہ ماحول سے بغاوت کرتے ہوئے گاؤں سے بھاگ جاتا ہے۔ شہر میں جا کر یہ بچہ ایک مذہبی مدرسے کے مہتمم کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ یہ مہتمم اس بچے کی جسمانی ساخت اور اس کی ذہنی نہج کو سمجھ لیتا ہے۔ ساون کو نہ صرف مسلمان کر لیا جاتا ہے بلکہ اسے غزوہ ہند کا ہیرو بننے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ساون کے نام کو بھی مسلمان کرتے ہوئے اس کا نام خالد سفیان رکھا جاتا ہے۔ خالد سفیان کو عظیم کمانڈر ہونے کا تاثر دیا جاتا ہے اور یہ مجاہد کمانڈر نہ صرف ہندوستان اور کشمیر میں کارروائیوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے بلکہ اپنے ہی ملک کے اندر بھی اپنے ہی مذہب کے دوسرے فرقے کے پڑھے لکھے بلکے پاکستان کی خدمت کرنے والے لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک مخصوص مسلک کے علاوہ تمام مسالک کے لوگوں کو بھی کافر اور واجب القتل قرار دیا جاتا ہے۔ خالد سفیان ایک انتہا پسند دہشت گرد بن جاتا ہے جو نہ صرف غیر مسلم بلکہ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ ساتھ جدت پسند لوگوں کو بھی اپنے نشانے پر رکھ لیتا ہے۔ سفیان ایک خونی بن جاتا ہے۔ ایک ایسا جنونی خونی کے جو اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرے۔ مباحثہ چلتا رہتا ہے اور یونیورسٹی کے طلباء برصغیر میں بڑھتی انتہا پسندی پر سوالات اٹھاتے ہیں۔ کافی سارے سوالات کیے جاتے ہیں مثلاً اسلام اور شدت پسندی کا تعلق؟ برصغیر میں جب انتہا پسندی بڑھ رہی تھی تو باقی اقوام کیا کر رہی تھیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ترقی یافتہ تہذیب اور معاشرہ اتنی تیزی سے زوال پذیر کیسے ہوا؟ وغیرہ وغیرہ ان سوالات کے جوابات ناول میں بڑے مختصر اور جامع میں دیے گئے ہیں۔ کمانڈر سفیان ہندوستان جاتا ہے اور وہاں ایک قومی تہوار کے موقع پر مرکزی تقریب کو اپنی دہشت گردی کا نشانہ بناتا ہے۔ خالد سفیان کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر پاکستان واپس آ جاتا ہے لیکن ہندوستان کے حکومتی ایوانوں میں ایک بھونچال کی سی کیفیت برپا ہوتی جاتی ہے۔ مذہبی اور جنونی ھندو بھی حکومت پر دباؤ بڑھاتے ہیں۔ سفیان کی دہشت گردی کی وجہ سے ہندوستان میں کافی اموات ہوتی ہیں جس سے ریاستی سطح پر جنگی ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت دباؤ میں آتی ہے جس کی وجہ سے ایٹمی ہتھیاروں میں ایندھن بھرنے کے ساتھ انہیں لانچنگ پیڈ پر لگا دیا جاتا ہے، دوسری طرف

پاکستان میں بھی دفاعی اقدام کے ساتھ ساتھ جنونی لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے ایٹمی ہتھیار لانچنگ پیڈ پر نصب کر دیے جاتے ہیں۔ راجن پور کے عالم کے زیر اثر ایک سرکاری اہلکار جو کہ ایٹمی ہتھیاروں کا سربراہ ہوتا ہے بٹن دبا دیتا ہے جس سے لانچنگ پیڈ سے نکل کر ایٹمی ہندوستان کی طرف اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ امریکہ بھارت کو آگاہ کرتا ہے بھارتی ایٹمی ہتھیار فائر کر دیتا ہے امریکہ ہی کے مہیا کردہ دفاعی نظام سے ان نیوکلیئر کے گولوں کا رخ گلیشیر اور پہاڑوں کی طرف کر دیا جاتا ہے۔

ناول کے دوسرے حصے میں ایٹمی حملہ کے بعد کی صورتحال سامنے آتی ہے۔ دونوں ممالک سیلاب کی زد میں آجاتے ہے۔ شہرون کا آپس میں رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ سڑکیں اور رابطے ختم ہو جاتے ہیں۔ انقلابی ڈھانچہ برباد ہو جاتا ہے۔ ماحول تبدیل ہوتا ہے تبکاری ہلاکت اور معذوری کا سبب بنتی ہے۔ خوراک ناپید ہو جاتی ہے۔ دن کے وقت خوف جہنم کی آگ بن جاتی ہے۔ دونوں ممالک جغرافیائی حدود کو ختم کر کے سرحدیں کھول دیتے ہیں۔ اقوام متحدہ مشروط امداد کرتا ہے جس کے نتیجے میں دونوں ممالک اپنے ایٹمی ہتھیار اور اسے اقوام متحدہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ خالد سفیان اپنی ماں کے ساتھ جو کہ مسلمان ہو چکی ہوتی ہے سیلاب کی زد میں آنے والے مدرسے سے نکل کر ایک پہاڑی پر پناہ لیتا ہے جہاں اس کی شادی ہو جاتی ہے لیکن کافروں کو مارنے کی دھمن اور افغانستان میں جہاد کی تڑپ اس پر سوار رہتی ہے۔ اس کے ہاں ایک عجیب الخلقت بچی جنم لیتی ہے اور یہ تابکاری اور ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خالد سفیان کو مذہب کے نام پر اتنا موثر ذہنی غسل دیا جا چکا ہوتا ہے کہ وہ بدلتی صورت حال سے بے خبر افغان جہاد کے لیے بضد رہتا ہے۔ خالد اپنی ماں کے ساتھ جہاد افغانستان کے لیے نکل پڑتا ہے اب باہر کے حالات دیکھ کر اسے علم ہوتا ہے کہ حالات کس طرح تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس کے جہادی ساتھی مارے جا چکے ہیں یا پھر لٹیرے بن گئے ہیں۔ ایک پرانا ساتھیوں سے حالات سے آگاہ کرتا ہے اسی طرح ایک سکھ خاندان سے اس کی ملاقات ہوتی ہے جو کہ ننکانہ صاحب جا رہے ہوتے ہیں۔ ان بدلتے حالات اور قیامت خیز تباہی کو دیکھ کر خالد سفیان کا ذہن غلطیوں کا احساس کرنا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر کار خود بھی تابکاری کا شکار ہو جاتا ہے۔ خالد سفیان کو گزرے ہوئے تمام واقعات یاد آنا شروع ہو جاتے ہیں آپ اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ جہاد کے نام پر انسانیت خوبصورت ماحول کا قاتل نکلا۔ اب نہ صرف نادم ہو رہا ہے بلکہ خالد سفیان سے واپس ساون بننے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن افسوس کے بہت دیر ہو گئی اور ساون تابکاری کے اثرات کی وجہ سے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

منصف نے بڑے خوبصورت انداز میں چھوٹی چھوٹی کہانیوں کو منظم طریقے سے جوڑ کر ناول تخلیق کیا ہے اور تمام معاملات کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں اقلیتوں کے ساتھ نازیبا سلوک اور ان کے

خاتمے کے لیے جہادی تنظیموں کا قیام۔نوجوان طبقے کی غلط ذہنی تربیت، دینی اداروں میں جہادیوں کا پیدا کرنا اور ملکی ایجنسیوں کا ان جہادیوں کے ساتھ دینا، فوجی افسرون کا دہشت گرد تنظیموں کا حصے دار ہونا۔ ایک فرقے کا دوسرے فرقے کو کافر قرار دیا۔ جہاد کے نام پر معصوم اور بے گناہ انسانوں کا قتل کرنا۔ با اثر لوگوں کا دہشت گردوں کے گروہوں کا ساتھ دینا، مجرموں کا پکڑے جانے کے باوجوت تھانوں سے رہا ہو جانا، امریکہ کا پاکستان سیاست اور پاکستان معیشت پر اثر انداز ہونا وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن کو مصنف نے بڑی تفصیلات کے ساتھ پیش کیا ہے گویا کہ ہر رونما ہونے والا واقعہ مصنف کے گہرے تجربے اور حالات حاضرہ کے واقعات سے دلچسپی کا گہرا ثبوت پیش کرتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کا افغانستان سے روسی فوج کا انخلا: افغانستان کی جنگ میں پاکستان کا فریق بنا، نظام مصطفے کے نام پر اسلامی کا انقلاب کا نعرہ، یہ ایسے عوامل ہیں جنہوں نے پاکستان کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کی بجائے پستیوں اور تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ مصنف نے پورے ناول میں تجسس کی فضا کو برقرار رکھا ہے قاری ہر باب کے بعد سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آگے کیا ہو گا؟ اسی ناول کے پہلے باب میں بین الاقوامی انجنسز اور ماہرین فن کی ایک ٹیم اپنی انتھک محنت اور کوشش سے تاج محل کو جمنا کے کنارے سے لے جا کر لندن کے دریائے ٹیمز کے کنارے نصب کر دیتے ہیں۔ انگلستان کی مختلف یونیورسٹرز (جامعات) کے منتخب طالب علم اسی شاہکار کا دورہ کرنے آتے ہیں۔ کیونکہ برصغیر میں ایٹمی جنگ کی تباہی سے وہاں کچھ نہیں بچا ہے۔ اب یونیورسٹی کے پروفیسر اور شاگرد برصغیر کے اس وقت کے حالات پر بحث کرنے کی شروعات ایک ناول سنا کر کرتے ہیں۔ جس میں اس وقت کی کہانی راجن پور (پنجاب) کے ایک ہندو اچھوت کے گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اس ناول کا ابتدائی کردار ایک اچھوت عورت "بھاگ بھری" ہے۔ بھاگ بھری نے ایک بڑے زمیندار حیدر شاہ کی زمین پر بنی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں آنکھ کھولی۔ بھاگ بھری کا باپ وڈیرے کی زمین پر کام کرتا تھا۔ بھاگ بھری نے اپنی ماں کو آنکھ کھولتے ہی کھیتوں میں کام کرتے دیکھا تھا۔ وہ گود میں ہی تھی کہ اس کا باپ نمونیہ کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسا۔ یہ بچاری کبھی اپنے باپ کو نہ دیکھ پائی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھاگ بھری اسے کھیتوں میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔ وقت کے دھارے نے اس کا قد تیزی سے بڑھا دیا۔ دو تیرہ برس کی ہو گئی تھی۔ وڈیرے کے چھوٹے بھائی جعفر شاہ کی آنکھیں ہر وقت اس پر ٹکی رہتی تھیں۔ جعفر شاہ موقع کی تلاش میں تھا ایک دن اسے اسی اپنی ہوس کا نشانہ بنالیا۔ بھاگ بھری کی ماں نے وڈیرے سائیں کو اس ظلم کی فریاد کی تو گویا وڈیرے نے اسے پاؤں کی ٹھوکروں سے دھکیلتے ہوئے وہاں سے نکال دیا۔ کچھ ماہ بعد ساون کے مہینے میں برسات کے دوران ایک بیٹے کو جنم دیا۔ بھاگ بھری نے اس کا نام سے ساون رکھا۔ ساون بڑا ہو کر وڈیرے کے ظلم وستم کا نشانہ بنتا ہے۔ ظلم و بربریت کی مثال وڈیرے کے

اس حکم سے نظر آتی ہے۔

> "دور کر دو! اس حرام زار سے پلید نسل کو! اسی کو مویشیوں کے باڑے میں جانوروں کے ساتھ باندھ دو۔ اس خبیث کو تین دن تک کھانے پینے کے بغیر باندھ کر رکھنا تاکہ اس کے کان کھل جائیں اور حکم عدولی اس کے خون سے نکل جائے۔"(۶)

وڈیرے کی سزا نے ساون کو سرکش اور چڑچڑا بنا دیا. وڈیرے کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اس نے گاؤں سے نکلنا پسند کیا اور بھوک کے پیاسے شہر کا رخ کیا۔ بھاگتے بھاگتے وہ بھوک سے نڈھال ہو گیا تھا۔ آخر کار وہ ایک لمبی اور اونچی دیوار کے سائے میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ ایک مدرسہ ہزاروں مجاہرین کو افغانستان بھیج چکا تھا۔ اس مدرسے کے بہت سے اساتذہ بھی جنگ افغانستان اور جہاد کشمیر کے غازی تھے۔ ایک مولوی صاحب جن کا نام قاری سفیان تھا۔ وہ اپنی گاڑی میں مسلح افراد کے ساتھ مدرسے سے باہر نکلتا ہے۔ ان کی نظر اس نوجوان پر پڑتی ہے۔ وہ اسے اٹھا کر مدرسے لے جاتے ہیں۔ ساون کو وہاں ہوش آتا ہے اسے پانی اور روٹی کے ساتھ خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ قاری صاحب اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ساتھی اسی کا نام ساون کی بجائے خالد سفیان رکھ دیتے ہیں اور بعد میں وہ خالد سفیان کے نام سے شہرت حاصل کرتا ہے۔ مدرسے میں اس کی باقاعدہ تعلیم و تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ مدرسے میں دو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے۔ ایک دفعہ سوچنے لگتا ہے۔

> "گوٹھ میں صبح سے شام تک کام کرتا تھا تو اسی کو مشکل سے روٹی پر ساگ رکھ کر کھانا نصیب ہوتا تھا۔ وڈیرے کے ملازموں کی لاتیں اور گالیاں اس کی اصل خوراک تھیں۔ یہ عجیب دنیا ہے جہاں نہ اس کو کوئی گالی دیتا ہے اور نہ ہی کمتر سمجھتا ہے۔ مسلمان کتنے اچھے ہوتے ہیں۔"(۷)

مدرسے میں قاری سفیان کی جوشیلی اور جذباتی تقریریں سن کر اس کے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ شیعوں اور کافروں، ظالموں کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے مدرسے میں ایک روز ہیلی کاپٹر آتا ہے اس میں ہمارے وزیر داخلہ کے ساتھ فوجی جنرل بھی آتے ہیں۔ جو قاری سفیان کو اہم ذمہ داریاں سونپنے کے لیے گفتگو کرتے ہیں۔ جنرل صاحب نے دو نئے افسران سے قاری صاحب کا تعارف ان لفظوں سے کروایا۔

> "ہمارے قاری سفیان جہاد افغانستان بلکہ جہاد پاکستان کے روح رواں ہیں میں نے اپنی زندگی میں قاری صاحب سے بڑا محب وطن نہیں دیکھا دیکھو! ہمارے پاکستان کے چار صوبے ہیں اور قاری حاحب کی بھی چار بیویاں ہیں۔ ہر صوبے سے ایک بیوی اور ہمارے قاری صاحب چاروں صوبوں کی زبانیں روانی سے بولتے ہیں۔ اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دینی اداروں کو فوج اور خفیہ ایجنسیوں کی پشت بناہی بھی حاصل ہے، جو اپنے جائز اور ناجائز کام مدرسہ کے طالب علموں سے نکلواتے ہیں۔"(۸)

مصنف نے بڑی چابکدستی سے دینی اداروں کی سرگرمیوں کو عیاں کیا ہے۔ کہ یہاں پر ان کی جہاد کے نام پر ظلم اور بربریت کا درس دیا جاتا ہے۔

"کافروں کا ایک علاج.... الجہار الجہاد"

"انقلاب، انقلاب،۔۔۔۔، اسلامی انقلاب"

"کراچی تا خیبر۔۔۔۔ ملا عمیر رہبر"

"کابل کی آزادی تک جنگ رہے گی۔۔۔ ایران کیبر بادی تک جنگ رہے گی۔ جنگ رہے گی۔"

"کراچی تا کامل... طالبان، طالبان"(۹)

مدرسے کی تربیت کا خالد پر بڑا اثر پڑتا ہے وہ سب سے پہلے کراچی میں بڑے بڑے شیعہ لوگوں کو اور معصوم بچوں کو قتل کرتا ہے۔ پھر حب وہ ثقافیت کا عادی ہو جاتا ہے پھر اسے بلوچستان میں شیعوں کو قتل کرنے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ وہ بلوچستان میں شیعہ پروفیسرز، ڈاکٹرز اور اعلی عہدوں پر فائز افراد کو مارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ مدرسے میں اس کے استاد نے سمجھایا تھا۔ ہم اس دھرتی پر کسی بھی شیعہ اعلی دماغ کو جینے نہیں دیں گے۔

اگر یہ مجاہد کہیں پکڑے جاتے ہیں تو اعلی سرکاری حکام کی طرف سے ان کو جیلوں سے نکال دیا جاتا ہے کیونکہ ان مجاہدوں کو فوجی افسران اور خفیہ ایجنسیوں کی پشت پناہی ہوتی ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے افغانستان میں روس کے خلاف دہشت گردی کا المیابیج بویا۔ جس نے آنے والی نسلوں کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خوفناک ساؤں میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ ضیاء الحق نے ملک کے اندر اسلام کا نعرہ بلند کیا مگر ملک اپنا انتہا پسندی کے ہاتھوں دے دیا۔ اس طرح ہندوستان میں انتہا پسندی کا بیج کانگرس نے بویا اور ہندو مذہبی دہشت گردی نے ہندوستان کا امن سکون تباہ کر کے رکھ دیا۔ مصنف نے ہندوستان کے اپوزیشن لیڈر مکرجی کی تقریر کے الفاظ قلم بند کیے ہیں۔۔۔۔ جنہوں نے انتہا پسندی کو فروغ دیا۔ ہندو کا ہے ہندوستان ..۔۔ باقی جائیں پاکستان تاج بنے گا۔۔۔ شیو مندر۔۔۔ تاج بنے گا۔۔۔ شیو مندر مکرجی کی تقریر نے ہندوانتہا پسندی کو عروج پر پہنچا دیا۔ اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف ایسا زہر اگلا کہ ہندوؤں نے ہندوستان میں مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔

"ان لٹیرے مسلمانوں کی تاریخ میں یہ رہی ہے کہ دوسرے دھرموں کی عبادت گاؤں کو ڈھا کر اس پر اپنی مسجدیں اور یادگاریں بناڈالو۔ میرے دوستو! یہ تاج سے بڑی محبت کی کہانی تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ شاہ جہاں کی پانچ ہزار سے زیادہ رکھیلیں تھیں... بچاری نہ جانے کتنی بہنوں اور بیٹوں کو اس نے رکھیل بنا کر رکھا ہوا تھا۔ ان میں سے اکثریت کو اغوا کر کے لایا تھا۔"

"میرے پیارے ہندوستانو! مجھے دل سے ٹورزم کے وزیر نے فون کیا آپ کو بتاتا ہوں اس نے کیا کہا اس نے کہا، مکر جی آپ کی بات میں وزن ہے پر تاج کی وجہ سے سرکار اربوں روپے سالانہ کماتی ہے۔ بہت سے سیاح تاج دیکھنے کو ہندوستان آتے ہیں۔ میں نے منتری جی کو کہا۔ آپ نے ہندوستان کو ایک طوائف میں بدل ڈالا ہے۔ ایک خوبصورت طوائف جو شام ہوتے ہی سرخ پوڈر لیپ کر اپنے تاش بینوں کو خوش کرنے کے لیے بیٹھ جاتی ہے"(۱۰)

ان اقتباسات سے متشدد ہند ذہنیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کے اندر کسی قسم کا تعصب اور نفرت کا پرچار کیا جاتا ہے۔ مصنف نے اس ناول میں ہندو اور اس کے نظریے کی خوبصورت عکاسی کی ہے کہ وہ کس قدر انتہا پسند اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ مصنف نے اس ناول میں واضح طور پر دینی مدرسوں اور ان کی سرگرمیوں کا پردہ چاک کیا ہے کہ ان مدرسوں کو ملکی اور غیر ملکی فنڈنگ ملتی ہے۔ مجاہدین کے روپ میں ان بھیڑیوں کے اندرونی اور بیرونی ممالک کے بنکوں میں کرنسیوں کے انبار ہوتے ہیں۔ بعض روایات کی آڑ میں معصوم دینی طالب علموں کا استحصال کرتے ہیں۔ ان کو حوروں کا دھوکا اور لالچ دے کر شہارت کی موت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ غزوہ ہند کے بارے ان کو اکسایا جاتا ہے اور مذہب کے نام پر معصوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ مصنف نے دراصل پاکستان کی سول اور ملٹری نوکر شاہی کی باہمی آویزش کو بھی موضوع بنایا ہے۔ مصنف کے مطابق ملٹری نوکر شاہی رہنماؤں کو اپنے اداروں کے لیے خطرہ سمجھتی ہے۔ ہمارے فوجی جرنیل وزیر اعظم سے اپنے مرضی کے فیصلے کرواتے ہیں۔

اس کی مندرجہ ذیل اہم کردار ہیں:

۱۔ بھاگ بھری نچلی ذات کی ہندو عورت جو کہ ایک ماں بھی ہے اور ایک زمیندار کے لیے اس کے جبر کی وجہ سے مشقت کرنے پر مجبور ہے۔

۲۔ ساون (خالد سفیان) جو کہ بھاگ بھری کا بیٹا ہے۔ گھر سے بھاگا ہوا ہے اور انتہا پسند مسلمانوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اس کا نام ساون سے تبدیل ہو کر خالد ہو جاتا ہے۔

۳۔ وڈیرہ حیدر شاہ گاؤں کا بڑا زمیندار ہے۔ جس کی زمینوں پر بہت سے مرد اور عورتیں اور بچے جبری مزدوری کرتے ہیں۔ بھاگ بھری اور ساون بھی اسی وڈیرے کے جبری مزدور ہیں۔

۴۔ پروفیسر صاحب: برطانوی طلبہ کے استاد ہیں۔

۵۔ وڈیرا جعفر شاہ: بڑے زمیندار وڈیرہ حیدر شاہ کا چھوٹا بھائی ہے۔

۶۔ قاری صاحب: جو کہ ایک مدرسے کے مہتمم ہیں۔

۷۔ کرنل ولید: جو کہ آگے چل کر میجر جنرل کے عہدے پر فائز ہو کر ایٹمی ہتھیاروں کے انچارج بن جاتا ہے۔

۸۔ سوامی: ایک شدت پسند ہندو ہے، جو جی بی جے پی اور آر ایس ایس کا نمائندہ کردار بن کر سامنے آتا ہے۔

۹۔ عصمت اللہ معاویہ: یہ کردار ناول کے آخر میں سامنے آتا ہے۔ عصمت اللہ معاویہ بھرپور کردار کے طور پر ابھرتا ہے۔

۱۰۔ ملّا سواتی: مدرسے کے ٹپیکل مولویوں کی طرح غصے، نفرت اور غضب سے بھرا ہوا انسان ہے۔

اس ناول میں پاکستانی معاشرے کا حقیقی روپ مکالماتی انداز میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس ناول کا ہر کردار اب اپنے لہجے کی وجہ سے ایک منفرد کہانی پیش کرتا ہے۔ اس ناول کے ان پڑھ کرداروں کی ذہنیت بھی ان کے مکالمے کے انداز میں سامنے آتی ہے۔ جیسے چند مکالمے ذیل میں دیکھے جاسکتے ہیں:

"تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کو قتل کیا ہے؟ ایک شیعہ کو اور اس کے ساتھ ایک شیعہ بچے کو تمہیں معلوم ہے کہ وہ ایک بہت بڑا ڈاکٹر تھا اور جس نے بہت سے لوگوں کی جان بچائی تھیں۔ خالد کا جواب پھر تو بہت اچھا کیا اسے مار کر مسلمانوں کو کسی کافر کا احسان نہیں لینا چاہیے۔" "اس کا اسلحہ واپس کر کے اسے چھوڑ دو۔۔۔ البتہ اگر یہ کبھی اس تھانے کی حدود میں دوبارہ نظر آئے تو اس سور کو گولی مار دینا۔۔۔ یہ کوئی عام سور نہیں بلکہ اللہ کا خاص اور مقرب سور ہے۔"(۱۱)

مندرجہ بالا مکالمے کردار کی ان پڑھ ذہنیت کو سامنے لا رہے ہیں۔ ایک جگہ خالد اور اس کی ماں بھاگ بھری کا مکالمہ ہوتا ہے۔ خالد ماں کو کہتا ہے۔ "یہ مینگنیاں سمیٹنے کی کیا تک ہے؟

"بھاگ بھری" نے کہا:

"کسی دشمن کے لیے نشان نہ چھوڑو کی جہاں سے کوئی جانور گزرا ہے۔ لوگ خوراک کے بھوکے ہیں۔ اس اونٹنی کے ساتھ ہمیں بھی مار ڈالیں گے۔ دوسری بات یہ کہ جلانے کو خوش کر لکڑیاں بھی مشکل سے ملتی ہیں، یہ مینگنیاں جلانے کے کام بھی آسکتی ہیں اور اگر کسی کو زخم لگ جائے تو ان کا لیپ زخم بھر دیتا ہے۔"(۱۲)

صفدر زیدی نے منظر کشی کے بھی خوب رنگ جمائے ہیں۔ پڑھتے ہوئے نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔۔ وہ مناظر ایسے بیان کرتے ہیں کہ آنکھیں وہ منظر اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اس بار منظر کچھ زیادہ ہی دلکش تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ آج اپنے اوپر پڑھنے والی سفید روشنی میں نہایا ہوا تھا، جیسا کہ چاند زمین پر اتر آیا ہوں یا شاید کوئی دوشیزہ سفید براق لباس عروسی زیب تن کیے کس

کا ہاتھ زندگی بھر کو تھامنے کے لیے تیار کھڑی ہو۔"(۱۳)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"معاویہ نے چائے کی پتی بر آمدے میں چولھے کے پاس رکھ کر پتیلی میں پانی ابلنے کے لیے رکھ دیا۔ کچھ ہی دیر میں بھاگ بھری ایک برتن ہاتھ میں لیے آگئی جو تازہ دودھ کے سفید جھاگ سے چھلک رہا تھا۔ اس میں ابلتے ہوئے پانی میں پتی ڈالی تو چائے کی مہک سے سارا بر آمد معطر ہو گیا۔"(۱۴)

بھاگ بھری صفدر زیدی کی شاہکار تخلیق ہے۔ جس میں انھوں نے مسلمان اور ہندو شدت پسندوں کے خیالات و افکار پر کاری ضربیں لگائیں ہیں۔ اور اس سوچ کو خطرناک قرار دیتے ہوئے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں ہی ممالک کی معاشرت میں جو شدت پسند آوازیں موجود ہیں اور وہ ہو وقت جس ادھیڑ بن میں سر گرم عمل رہتی ہیں اسے انھوں نے ایٹمی طاقت کا نام دیا ہے۔ اور انھوں نے خدشات ظاہر کیے کہ وہ انتہا پسند کسی بھی وقت اس طاقت کا استعمال مذہبی انتشار کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اور یہ عمل تباہی کی پیش خیمہ ہو گا۔ اور پھر ایک دن یہ خدشات سچ ثابت ہوتے ہوئے یہ تباہی آ جاتی ہے مگر دونوں ممالک کی معاشرت اس کی لپیٹ میں نہیں آتی۔ لیکن جہاں ان جہاں اس طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے اس کے اثرات دونوں معاشروں پر انتہائی صورت میں پڑتے ہیں۔ اور بالخصوص باقی ماندہ لوگوں اور آنے والوں پر اس کے اثرات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اور ایک تہذیبی ورثے یعنی تاج محل کو حصے میں بانٹ کر مغربی دنیا میں لے جایا جاتا ہے۔۔۔۔ ان کا ماننا ہے کہ محبت کے اس گراں قدر استعارا وہیں سلامت رہ سکتا ہے جہاں مذہبی انتہا پسندی سے ماورا سوچ کے حامل اذہان کی کثرت ہو اور یہ فضا مصنف کو مغرب میں نظر آئی۔ یوں دیکھا جائے تو ناول میں مابعد جدیدت رجحانات کی توڑ پھوڑ کرتی ہوئی ہر سطح پر ایک رستہ بناتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے ایسے افراد کو یہ ناول ضرور پڑھنا چاہیے جو مابعد جدیدیتی رجحانات کے حامل ہیں۔ ناول میں اگر اسلوب کی بات کی جائے تو اس کہانی میں کہیں کہیں پر الفاظ تازیانوں کی طرح بھی برسے ہیں۔ مگر زیادہ تر ان کا اسلوب اور انداز بیان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ قاری کو پڑھنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی ہے اور تمام الفاظ سہولت سے سمجھ آ جاتے ہیں۔ ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"وہ دونوں موٹر سائیکل کے ساتھ فٹ فاٹ کبھی چلتے چلے گئے۔ قریب ہی سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے پولیس کی دو سپاہی ان کی مدد کو دوڑے۔ خالد کے مجاہد ساتھی نے پولیس کو آتے دیکھ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ ساتھی کے یوں دوڑ جانے پر پولیس والوں کو خالد پر شک ہو گیا۔ انہوں نے اس کی تلاشی لی تو شلوار کے اوپر بندھی ہوئی بیلٹ میں اُڑسا ہوا پسٹل اور میگزین بر آمد ہو گیا۔"(۱۵)

برصغیر اور بالخصوص پاکستان کے مجموعی ثقافت کے حامل معاشرے میں اُفقی اور عمودی ناہمواریوں پر ناول "بھاگ بھری" ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ ناول میں سیاسی ثقافت کے موثر عناصر کا احاطہ کیا گیا ہے۔ عناصر میں معیشی، معاشرتی، مذہبی، فرقہ وارانہ، تعلیمی اداروں حتیٰ کے انفرادی اور ادارتی سطح پر استحصال کا باریک بینی سے احاطہ کیا گیا ہے۔ بقول مشرف عالم ذوقی:

> "صفدر زیدی نے ایک بڑے کینوس پر ناول لکھ کر ہمیں حیران کر دیا ہے۔ موجودہ حالات اور سیاسی منظر نامے کے پیش نظر ماضی اور مستقبل کے کولاز سے صفدر زیدی نے ایک ایسے موضوع کو اٹھانے کی کوشش کی ہے، جہاں راستہ بھی ہے زندگی بھی۔ یہ ناول موجودہ سنگین حالات کے لئے چیلنج بھی ہے، عوام میں بیداری پیدا کرنے کا مشن بھی۔ میں ان کی جرات رندانہ کو سلام کرتا ہوں۔"(۱۶)

اس ناول کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں تحقیق و تجسس سے عاری معاشرہ تشکیل کیا گیا ہے جس سے سوچ و فکر کے ساتھ ساتھ خودی بھی ناپید ہوگئی ہے۔ نہ ہی سیاسی معاشرہ تشکیل پا سکا اور نہ ہی مہذب قوم۔ ملک کے نام پر طوائف الملوکی پروان چڑھی۔ ایک چھوٹے زمیندار سے لے کر بڑے سے بڑے عالم تک حتیٰ کہ ریاستی ادارے بھی غلط بیانیہ کی وجہ سے یا تو استحصالی ذعماء یا پھر استحصالی ادارے بن گئے۔ ریاست کی خدمت کے نام پر مفاداتی گروہ وجود میں آگئے جو اپنی بالادستی کی خاطر نہ صرف غلط بیانیہ تشکیل کرتے رہے بلکہ جدیدیت اور سائنسی ترقی کے فتوے جاری کرتے رہے۔ پسے ہوئے استحصال زدہ لوگ نہ صرف ان زعماء کے کارندے بنتے رہے بلکہ یہ مجبور و بے کس لوگ بغیر سوچ کے غلام بنتے گئے۔ غلط بیانیہ کے نتائج بڑے خوفناک برآمد ہوئے۔ دو پڑوسی ممالک متعصب مذہبی انتہا پسند مبلغین کی ترغیب پر ایٹمی جنگ چھیڑ دیتے ہیں۔ ان ایٹمی حملوں کا فیصلہ ایک طرف تو سیاسی قائد کرتا ہے اور دوسری طرف ایک منظم ادارے کا ایک اعلیٰ عہدے دار۔ ناول "بھاگ بھری" اس ایٹمی جھڑپ کے بعد کے نتائج کا خوف ناک احاطہ کرتا ہے۔ معاشی ناانصافی اور ناہمواری لوگوں کے استحصال کا نہ صرف سبب بنتی ہے بلکہ انہیں مشکل حالات سے خوفناک حالات کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ معاشرتی ناانصافی اور معاشی ناہمواری بے بس لوگوں کو متعصب مذہبی زعماء کے قریب کر دیتی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ

> More Education means more democracy and more democracy means more development.

حوالہ جات

۱۔ ناز قادری، ناول کا فن-https://www.rekhta.org/articles/novel-ka-fan-naz-quadri-articles?lang=ur,

2. Encyclopedia of Britannica, Nepoleen ozanalyols, Vol.16, P.637

3. The Granite and Rainbow, P.141.

۴۔ اقبال لطیف(فلیپ)بھاگ بھری از صفدر زیدی، عکس پبلی کیشنز،۲۰۱۸

۵۔ احمد سہیل(فلیپ))بھاگ بھری از صفدر زیدی، عکس پبلی کیشنز،۲۰۱۸

۶۔ صفدر زیدی، بھاگ بھری، عکس پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء، ص۲۹

۷۔ ایضاً، ص۴۷

۸۔ ایضاً، ص۵۸

۹۔ ایضاً، ص۸۳

۱۰۔ ایضاً، ص۱۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص۱۰۵

۱۲۔ ایضاً، ص۳۷۶

۱۳۔ ایضاً، ص۱۹

۱۴۔ ایضاً، ص۴۰۳

۱۵۔ ایضاً، ص۹۷

۱۶۔ مشرف عالم ذوقی(فلیپ)، بھاگ بھری، از صفدر زیدی، عکس پبلی کیشنز،۲۰۱